قائداعظم پہ لکھا منٹو کا خاکہ ___ ''میرا صاحب''
تحقیقی وتنقیدی جائزہ

ڈاکٹر روبینہ یاسمین
Dr. Rubina Yasmin
Govt. Post Graduate College For Women, Sargodha.

Abstract:

Character sketching is not an easy goal. It is like walking upon a tightened rope. However, Manto has proved himself successful in this field also his character sketch "Maira Saheb" throws light upon even those dimensions of Quaid-e-Azam's personality which escape the eyes of a common man. A lot has been written on Quaid's political struggle and professional life but very little is available regarding his private life. The basic reason for this issue is Quaid's stance to keep his personal and professional life apart. Except a few friends and servants nobody can throw light upon his personal life as he always condemned obstentation. This single character sketch is far better than many volumes.

''میرا صاحب'' منٹو کے خاکوں کی پہلی کتاب ''گنجے فرشتے''(۱) میں پہلا خاکہ ہے۔ یہ خاکہ قائداعظم کی زندگی، اُن کی دلچسپیوں اور ذاتی حالات و واقعات سے ماخوذ ہے۔منٹو نے یہ خاکہ بمبئی میں قائداعظم کے ذاتی ڈرائیور محمد حنیف آزاد کی یادداشتوں سے ترتیب دیا ہے۔منٹو لکھتے ہیں:

> ''مجھے پچھلے برس ایک دوست سے معلوم ہوا تھا کہ یہ موٹی موٹی آنکھوں، سیاہ رنگ اور کسرتی بدن والا ایکٹر ایک مدت تک قائد اعظم محمد علی جناح کا موٹر ڈرائیور رہ چکا ہے۔ چناں چہ اُسی وقت سے میری نگاہ اُس پر تھی۔ جب کبھی اُس سے ملاقات ہوتی میں اس کے آقا کا ذکر چھیڑ دیتا اور اُس سے باتیں سن سن کر اپنے حافظے میں

جمع کرتا رہتا۔''(۲)

محمد حنیف کے بیانات اور واقعات کی صداقت تاریخ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ منٹو، محمد حنیف آزاد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ سن ۱۹۳۷ء میں قائداعظم دہلی تشریف لائے اور مسلمانوں کے بہت بڑے جلوس نے اُن کا استقبال کیا۔ اس تاریخی جلوس میں انھیں قائداعظم کے غیر فانی خطاب سے نعرہ زن کیا گیا۔ اُن کی سواری کے لیے چھ گھوڑی والی فٹن کا انتظام تھا۔ جلوس میں مسلم لیگ کے تمام سرکردہ اراکین تھے۔ موٹروں، موٹر سائیکلوں، بائیسکلوں اور اونٹوں کا ایک ہجوم تھا، مگر بہت ہی منظّم۔ اس نظم کو دیکھ کر قائداعظم جو طبعاً بہت ہی نظم پسند تھے، بہت مسرور نظر آتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کو یہ لقب مسلمانوں نے اپنی عقیدت کے اظہار کے طور پر ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ایک جلسہ میں دیا جو بعد میں زبان زدِ عام ہو گیا۔(۳) قائداعظم انتہائی مدبر سیاست دان تھے اُنہوں نے ہندوؤں کو واضح الفاظ میں بتا دیا کہ ہندوؤں کو چاہیے اپنا ہندو راج کا خواب چھوڑ دیں اور اس پر رضا مند ہوں کہ ہندوستان کو ہندو قومی وطن اور مسلم قومی وطن میں تقسیم کر دیا جائے۔ قائداعظم نے ہندو اخبارات اور انجمنوں کے پروپیگنڈا کا ہندوستان کے اندر اور باہر تنہا مقابلہ کیا اور کانگریسی لیڈروں کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور حیلہ سازیوں کو خوب بے نقاب کیا کہ ہندو تلملا اٹھے۔(۴)

قائداعظم جسمانی طور پر کمزور مگر فولادی قوتِ ارادی کے مالک تھے۔ آزاد نے جب اُنھیں پہلی دفعہ جلسہ میں دیکھا تو اس کی اپنی تنومندی کو دھکا سا لگا کہ میرا قائد اور اس قدر دبلا۔ اس قدر نحیف، خدا کی قسم میں کبھی اُن کو دیکھتا تھا اُن کے نحیف ونزار جسم کو۔ اس مشتِ استخوان کو اور کبھی اپنے ہٹے کٹے ڈیل ڈول کو۔ جی میں آیا کہ یا تو میں سکڑ جاؤں یا وہ پھیل جائیں۔ منٹو لکھتے ہیں:

> ''آزاد کے ذہن پر اس بات نے خاص طور پر اثر کیا تھا کہ اُس کا آقا طاقت پسند تھا۔ جس طرح علامہ اقبال کو بلند قامت چیزیں پسند تھیں اسی طرح قائداعظم کو تنومند چیزیں مرغوب تھیں یہی وجہ ہے کہ اپنے لیے ملازموں کا انتخاب کرتے وقت وہ جسمانی صحت اور طاقت سب سے پہلے دیکھتے تھے۔ قائداعظم کا سیکرٹری مطلوب بڑا وجیہہ آدمی تھا۔ جتنے ڈرائیور تھے سب کے سب جسمانی صحت کا بہترین نمونہ تھے۔ کوٹھی کے پاسبان بھی اسی نکتہ سے چنے جاتے تھے۔''(۵)

منٹو اس کا نفسیاتی پس منظر یوں بیان کرتا ہے کہ جناح مرحوم خود بہت ہی لاغر اور نحیف تھے، مگر طبیعت بے حد مضبوط اور کسرتی تھے اس لیے کسی ضعیف اور نحیف شے کو خود سے منسوب ہونا پسند نہیں

کرتے تھے۔قائداعظم کے دشمنوں پر لگائے ہوئے زخموں کا چرچا عام تھا۔

آزاد، بمبئی کے مختلف بازاروں میں جاتے آتے مسلمان اقلیت کے ساتھ کانگریس کے سلوک کا تذکرہ بھی سنتا رہتا تھا۔قائداعظم کمزور مگر طبعاً بے حد مضبوط اور کسرتی تھے۔مسز سروجنی نائیڈو قائداعظم کے متعلق لکھتی ہیں:

''وہ بلند قامت ہیں لیکن بے انتہا دبلے اور دیکھنے میں کمزور معلوم ہوتے ہیں۔اُن کی عادتیں رئیسانہ ہیں لیکن اُن کی جسمانی ناتوانی ایک نظر فریب پردہ ہے جس کے پیچھے ذہن اور کردار کی غیر معمولی قوتیں پوشیدہ ہیں.....اُن کا انداز تحکمانہ ہوتا ہے۔وہ بنیادی طور پر عملی انسان ہیں اور اُن کے جذبات پوری طرح اُن کے ذہن کے تابع ہیں۔اُن کی دنیا داری اور حقیقت پسندی کے پردے میں اصول پرستی اور بے غرضی کے بڑے جوہر پوشیدہ ہیں۔''(۶)

قائداعظم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُن کا جسم کمزور مگر قوتِ ارادی فولادی تھی۔انگریز بھی قائد اعظم کی ان صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے۔ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ارون نے قائداعظم کے بارے میں لکھا ہے:

''مجھے ہندوستان میں کسی لیڈر سے خطرہ نہیں، اگر ہے تو محمد علی جناح سے، کیونکہ یہی وہ شخص ہے جو ملک کی آزادی دل و جان سے چاہتا ہے کسی اور لیڈر کو آزادی کی پرواہ نہیں۔ان سب کو کچھ نہ کچھ لے دے کر راضی کیا جا سکتا ہے مگر جناح نے اپنی بات اگر ہندوستانیوں سے منوالی، جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ منوالے گا، تو پھر برطانیہ کے لیے ہندوستان میں رہنا مشکل ہو جائے گا اور ہندوستان میں برطانوی اقتدار ختم ہو جائے گا۔''(۷)

منٹو لکھتے ہیں کہ اگر غور کیا جائے تو جسم کی لاغری کا یہ احساس ہی اُن کی مضبوط اور پُر وجاہت زندگی کی سب سے بڑی قوت تھا۔اُن کے چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور بولنے سوچنے میں یہ قوت ہر وقت کارفرما رہتی۔بقول آزاد:

'قائداعظم کی خوراک بہت ہی قلیل تھی۔باورچی خانہ میں ہر روز چار یا پانچ مرغیاں ذبح ہوتی تھیں، اُن میں سے صرف ایک چوزے کی یخنی اور وہ بھی بمشکل ایک پیالی اُن کی خوراک کا جزو بنتی تھی۔فروٹ ہر روز آتا تھا اور کافی مقدار میں مگر یہ سب ملازموں

کے پیٹ میں جاتا تھا۔ وہ دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے تھے۔ قائد اعظم اُس زمانے میں روزانہ سو روپے طعام کے اخراجات کے لیے آزاد کے حوالے کر دیتے تھے اور کبھی حساب طلب نہ کرتے جو باقی بچتا وہ نوکروں میں تقسیم ہو جاتا۔ جب کہ مس جناح بہت تیز تھیں۔ اکثر بگڑ جاتی تھیں کہ ہم سب چور ہیں ایک آنے کی چیز کا ایک روپیہ لگاتے ہیں مگر صاحب کا سلوک کچھ ایسا تھا کہ ہم سب اُن کے مال کو اپنا مال سمجھنے لگے تھے۔ چناں چہ اُن کی جھڑکیاں اور گھرکیاں سن کر اپنے کان سمیٹ لیتے تھے۔ صاحب ایسے موقعوں پر اپنی ہمشیرہ سے ''اِٹ از آل رائٹ۔ اِٹ از آل رائٹ'' کہتے اور معاملہ رفع دفع ہو جاتا۔ مگر ایک دفعہ ''اِٹ از آل رائٹ'' کہنے سے معاملہ رفع نہ ہوا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے دونوں باورچیوں کو نکال دیا کیوں کہ قائداعظم بیک وقت دو ملازم باورچی رکھتے تھے۔ ایک ہندوستانی کھانے پکانے کے لیے اور ایک انگریزی طرز کے کھانے پکانے کا ماہر کیوں کہ قائداعظم کو انگریزی کھانے پسند تھے۔ اُنھیں ہندوستانی کھانوں سے رغبت نہ تھی۔ جب دونوں باورچی نکال دیے گئے تو صاحب نے کچھ نہ کہا کہ وہ ہمشیرہ کے معاملات میں دخل نہ دیتے تھے۔ چناں چہ کئی دن دونوں وقت کا کھانا تاج ہوٹل میں تناول فرماتے رہے۔''(۸)

اس بات کی تصدیق ثریا خورشید کی ڈائری سے بھی ہوتی ہے جو ''جمہوریت، آمریت اور مادرِ ملت'' نامی کتاب میں درج ہے کہ مس جناح نے سب باورچیوں کو نکال دیا اور قائداعظم کئی دنوں تک کھانا تاج ہوٹل سے کھاتے رہے۔(۹)

قائداعظم کی گھریلو زندگی کا صحیح نقشہ مستور ہے اور ہمیشہ مستور رہے گا۔ منٹو نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے کہ جہاں تک میں سمجھا ہوں، ان کی گھریلو زندگی، ان کی سیاسی زندگی میں کچھ اس طرح مدغم ہو گئی تھی کہ اس کا وجود نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ بیوی تھی وہ مدت ہوئی اُن سے جدا ہو چکی تھی لڑکی تھی اُس نے اُن کی مرضی کے خلاف ایک پارسی لڑکے سے شادی کر لی تھی۔ اس سلسلے میں محمد حنیف آزاد کا کہنا ہے:

''صاحب کو اس کا سخت صدمہ پہنچا تھا۔ اُن کی خواہش تھی کہ وہ کسی مسلمان سے شادی کرے، خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل کا ہو لیکن اُن

کی لڑکی یہ جواز پیش کرتی تھی کہ جب صاحب کو اپنی شریک زندگی منتخب کرنے میں آزادی حاصل تھی تو وہ یہ آزادی اُسے کیوں نہیں بخشتے۔''(۱۰)

قائداعظم نے بمبئی کے ایک بہت بڑے پارسی کی لڑکی سے شادی کی تھی یہ تو سب کو معلوم ہے لیکن یہ بات بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے کہ پارسی اس رشتے سے بہت ناخوش تھے۔بعض اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ قائداعظم کی لڑکی کا پارسی لڑکے سے شادی کرنا ایک منظّم سازش تھی۔منٹو نے جب اس کا ذکر آزاد سے کیا تو اس نے کہا:

''مجھے صرف اس قدر معلوم ہے کہ صاحب کی زندگی میں اپنی بیوی کی موت کے بعد یہ دوسرا بڑا صدمہ تھا۔۔۔۔اُن کا چہرہ اس قدر لطیف تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ بھی اُس پر اُتار چڑھاؤ پیدا کر دیتا تھا جو دوستوں کو فوراً نظر آ جاتا تھا۔ماتھے پر ہلکی سی شکن ایک خوفناک خط کی صورت اختیار کر جاتی تھی۔۔۔وہ بہت مضطرب رہے۔پندرہ روز تک وہ کسی سے نہ ملے اس دوران میں اُنھوں نے سینکڑوں سگار پھونک ڈالے ہوں گے اور سینکڑوں میل ہی اپنے کمرے میں ادھر اُدھر چکر لگا کر طے کیے ہوں گے۔''(۱۱)

پندرہ دن کے ذہنی اور روحانی کرب کے بعد جب وہ دوبارہ نارمل زندگی کی طرف آئے تو کیا اس بات کو بالکل بھول چکے تھے؟ ہرگز نہیں، قائداعظم کو بھول جانے کی عادت نہیں تھی۔وہ اپنی پہلی محبت کو کبھی خود سے جدا نہ کر سکے۔رتی بائی کے بعد کوئی دوسری عورت اُن کی زندگی میں نہیں آئی تو اکلوتی بیٹی کی نافرمانی کیسے بھولتے، اگرچہ اُسے عاق بھی کر چکے تھے مگر وہ اس صدمے کو بالکل نہیں بھولے تھے۔ آزاد کا کہنا ہے کہ:

''کبھی کبھی وہ بڑا صندوق کھلوانے کا حکم دیتے تھے۔جست کے اس جہازی صندوق میں بے شمار کپڑے تھے۔اُن کی مرحوم بیوی اور نافرمانبردار لڑکی کے جب وہ چھوٹی سی بچی تھی۔یہ کپڑے باہر نکالے جاتے تو صاحب بڑی سنگین خاموشی سے اُن کو دیکھتے رہتے۔ایک دم اُن کے دبلے پتلے اور شفاف چہرے پر غم واندوہ کی لکیروں کا ایک جال سا بکھر جاتا، اِٹ از آل رائٹ ___ اِٹ از آل رائٹ کہہ کر وہ اپنی آنکھ سے مونوکل اُتارتے اور اسے پونچھتے ہوئے ایک طرف چل دیتے۔''(۱۲)

قائداعظم کی چار بہنیں اور دو بھائی تھے۔ بہنوں میں فاطمہ جناح، رحمت جناح، شیریں بی اور مریم بی تھیں۔ ایک بہن ڈونگری میں رہتی تھیں جو آسودہ تھیں جبکہ رحمت جناح کی آمدن قلیل تھی۔ قائد اعظم رحمت جناح کی مدد باقاعدگی سے کرتے تھے اور فاطمہ جناح کے ساتھ اُن سے ملنے بھی جاتے تھے۔ قائداعظم کے ایک بھائی کا نام احمد علی اور دوسرے کا نام بندۂ علی تھا۔ احمد علی کی بھی وہ باقاعدہ مالی مدد کرتے تھے مگر اُسے گھر آنے کی اجازت نہ تھی۔ منٹو نے قائداعظم کے بھائی احمد علی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

> ''قائداعظم کے اس بھائی کو میں نے بمبئی میں دیکھا ہے، سیوائے بار میں ایک شام کو میں نے دیکھا کہ قائداعظم کی شکل وصورت کا ایک آدمی آدھا رم کا آرڈر دے رہا ہے۔ یہ عام سی بات تھی۔ ویسا ہی ناک نقشہ، ویسے ہی اُلٹے کنگھی کیے ہوئے بال، قریب قریب ویسی ہی سفید لٹ۔ میں نے کسی سے استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مسٹر محمد علی جناح کا بھائی احمد علی ہے۔ میں بہت دیر اُس کو دیکھتا رہا۔ رم کا آدھا پیگ اُس نے بڑی شان سے آہستہ آہستہ لبوں کے ذریعے سے چوس چوس کر ختم کیا۔ بل جو ایک روپے سے کم تھا یوں ادا کیا جیسے ایک بہت بڑی رقم ہے اور اُس کی نشست سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بمبئی کی ایک گھٹیا بار کے بجائے تاج محل ہوٹل کے شراب خانے میں بیٹھا ہے۔''(۱۳)

اندرون خانہ کھیلوں میں قائداعظم کو صرف بلیئرڈ سے دلچسپی تھی۔ اس بات کی تصدیق مرزا ابو الحسن اصفہانی کی کتاب سے بھی ہوتی ہے۔ آزاد کا کہنا ہے کہ:

> ''بلیئرڈ روم میں صرف مجھے جانے کی اجازت تھی اس لیے کہ مجھے بھی اس کھیل سے تھوڑا بہت شغف ہے۔ بارہ گیندیں اُن کی خدمت میں پیش کر دی جاتیں۔ اُن میں سے وہ انتخاب کرتے اور کھیل شروع ہو جاتا۔ محترمہ فاطمہ جناح پاس ہوتیں، صاحب سگار سلگا کر ہونٹوں میں دبا لیتے اور اُس گیند کی پوزیشن کو اچھی طرح جانچتے جس کے ٹھوکر لگانا ہوتی تھی۔ اس جانچ پڑتال میں وہ کئی منٹ صرف کرتے۔ کبھی ایک زاویے سے دیکھتے کبھی دوسرے زاویے سے۔ ہاتھ میں کیو کو تولتے، اپنی پتلی پتلی انگلیوں پر اُسے سارنگی کے گز کی طرح پھیرتے، زیرِ لب کچھ کہتے، شست باندھتے۔ اگر کوئی دوسرا مناسب وموضوع زاویہ اُن کے ذہن میں آ جاتا وہ

اپنی ضرب روک لیتے۔ ہر طرف سے اپنا پورا اطمینان کرنے پر جب کیو گیند کے ساتھ ٹکراتے اور نتیجہ اُن کے حساب کے مطابق ٹھیک نکلتا تو اپنی بہن کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھ کر مسکرا دیتے۔ سیاست کے کھیل میں بھی قائداعظم اسی طرح محتاط تھے وہ ایک دم کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ ہر مسئلے کو وہ بلیرڈ کے میز پر پڑی ہوئی گیند کی طرح ہر زاویے سے بغور دیکھتے تھے اور صرف اُسی وقت اپنے کیو کو حرکت میں لا کر ضرب لگاتے تھے جب اُن کو اس کے کارگر ہونے کا پورا وثوق ہوتا تھا۔ وار کرنے سے پہلے شکار کو اپنی نگاہوں میں اچھی طرح تول لیتے تھے۔ اُس کی نشست کے تمام پہلوؤں پر غور کر لیتے تھے۔ پھر اُس کی جسامت کے مطابق ہتھیار منتخب کرتے تھے۔ وہ ایسے نشانچی نہیں تھے کہ پستول اٹھایا اور داغ دیا، اس یقین کے ساتھ کہ نشانہ خطا نہیں جائے گا۔ نشانچی کی ہر ممکن خطا شست باندھنے سے پہلے اُن کے پیش نظر رہتی تھی۔'' (۱۴)

آزاد کے بیان کے مطابق:

''قائداعظم کے لہجے میں ایک قسم کی کرختگی تھی جب وہ بولتے تھے ایسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ زور نہ دینے والے الفاظ پر بھی زور دے رہے ہوں۔'' (۱۵)

قائداعظم کی گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کبھی ریڈیو پاکستان پر نشر کی جاتی تھی اُس کو سن کر آزاد کے بیان پر یقین کرنا پڑتا ہے کہ قائداعظم الفاظ پر زور دے کر بولتے تھے۔

قائداعظم جسمانی طور پر کمزور تھے اور اس کمزوری کا احساس اُنھیں خود بھی تھا مگر اُنھوں نے کبھی اس کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ منٹو نے اس کمزوری اور کرختگی کا تقابل کر کے اُس کی نفسیاتی وجہ بھی بیان کر دی ہے۔ منٹو لکھتے ہیں:

''قائداعظم کی جسمانی کمزوری کا غیر شعوری یا تحت الشعوری احساس ہی ان کرخت مظاہر کا باعث تھا۔ اُن کی زندگی حباب پر آب تھی مگر وہ ایک بہت بڑا بھنور بن کر رہتے تھے۔ بعض اصحاب کا تو یہ کہنا ہے کہ وہ اتنے دن صرف اسی قوت کے بل پر جیئے۔ جسمانی کمزوری کے اس احساس کی قوت پر۔'' (۱۶)

ماؤنٹ پیزنٹ روڈ کے بنگلے میں ایک خاکسار رفیق صابر منگوی نے قائداعظم پر قاتلانہ حملہ

کیا۔نحیف ونزار ہونے کے باوجود اُنھوں نے حملہ آور کے ہاتھ کو اس قدر مضبوطی سے پکڑا کہ وہ اپنے ناپاک مقصد میں ناکام ہو گیا۔

قائداعظم اصول پرست اور خوددار تھے۔ عام ملاقاتیوں سے پرہیز کرتے تھے۔ دوراز کار باتوں سے انھیں سخت نفرت تھی۔صرف مطلب کی بات اور وہ بھی انتہائی اختصار کے ساتھ سننے اور کرنے کی عادت تھی۔سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے اور پھر اُس پر ڈٹ جاتے۔

قائداعظم آہنی عزم کے مالک تھے اسی لیے انگریز اور ہندو سے چومکھی جنگ لڑی۔ ماؤنٹ بیٹن آخری انگریز وائسرائے قائد کے بارے میں کہتا ہے:

> ''مجھے صرف اسی مقصد کے لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا کہ میں ملک کو کسی نہ کسی طرح متحد رکھ سکوں ۔میں نے اس مقصد کے لیے بھرپور کوشش کی،لیکن میرے مقصد کی راہ میں ایک ایسا شخص حائل تھا جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنا کھڑا تھا اور وہ تھا محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ۔بالآخر مجھے جناح کے سامنے جھکنا پڑا۔اُس کی ضد کے سامنے مجھے ہتھیار ڈالنا پڑے۔.....جناح راست باز اور صاف گو انسان تھے.....نحیف جسم و جان کے ساتھ نہایت ہی بارعب اور پر ہیبت شخصیت،مسلمانان ہند کو صرف اکیلا یہ شخص بام ترقی وعروج پر لے گیا۔''(۱۷)

۱۳/اگست ۱۹۴۷ء کو گورنمنٹ ہاؤس میں وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جارج ششم،شاہ انگلستان کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ بعد میں اپنی جوابی تقریر میں قائداعظم نے شکریہ ادا کیا۔قائد کی تقریر کے بعد لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے محترمہ فاطمہ جناح کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

> ''اگرچہ جناح کی شخصیت سرد مہر اور کم آمیز ہے تاہم اس پر ایک مقناطیسی خوبی یعنی قیادت کا احساس پوری طرح حاوی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم کی ناقابل تسخیر ذات میں کنگ ایمپرر، آرچ بشپ آف کنٹربری،سپیکر اور وزیراعظم سب کچھ جمع ہو گیا ہے۔''(۱۸)

منٹو نے آزاد سے سوال کیا کہ کیا تم نے کبھی قائداعظم کے منہ سے ''آئی ایم سوری'' سنا تھا تو آزاد نے قائداعظم کے کردار کی پوری تفصیل صرف ایک جملے میں بیان کر دی کہ:

> ''نہیں کبھی نہیں۔ پھر وہ مسکرایا اور کہا،اگر اتفاق سے کبھی ''آئی ایم سوری'' اُن کے منہ سے نکل جاتا تو مجھے یقین ہے کہ ڈکشنری میں

سے وہ یہ الفاظ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹا دیتے۔''(۱۹)

حوالہ جات

۱۔ سعادت حسن منٹو، گنجے فرشتے، لاہور: مکتبہ جدید، بارِ اوّل، جون ۱۹۵۲ء

۲۔ ایضاً، ص:۲۱

۳۔ سلیم چودھری، مرتب: قائداعظم، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص:۲۰۸

۴۔ حسن ریاض، سید، پاکستان ناگزیر تھا، کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء، ص:۲۱۰۔ ۲۰۹

۵۔ سعادت حسن منٹو، گنجے فرشتے، ص:۲۲

۶۔ سروجنی نائیڈو، بحوالہ قائداعظم، مرتب: سلیم چودھری، ص:۱۶۲۔۱۶۱

۷۔ لارڈ ایرون، ایضاً، ص:۶۸

۸۔ سعادت حسن منٹو، گنجے فرشتے، ص:۲۴۔۲۳

۹۔ وکیل انجم، جمہوریت، آمریت اور مادرِ ملت، لاہور: نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن، نومبر ۲۰۰۳ء، ص:۱۱

۱۰۔ سعادت حسن منٹو، گنجے فرشتے، ص:۲۶

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۸

۱۳۔ ایضاً، ص:۲۹

۱۴۔ ایضاً، ص:۳۱۔۳۰

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۲

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ نواب زادہ محمود علی خان، عظیم قائد، لاہور: اظہار سنز، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گر پنجاب، ۱۹۸۹ء، طبع سوم، ص:۱۵۰

۱۸۔ جمہوریت، آمریت اور مادرِ ملت، ص:۲۰

۱۹۔ سعادت حسن منٹو، گنجے فرشتے، ص:۲۶

☆.....☆.....☆